الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين،امابعدفاعوذبالله من الشيطٰن الرجيم،بسم الله الرحمٰن الرحيم

# الاربعين النووية

## (سوالا،جوابا)

## درجه ثانيه،1437هجرى

## جامعة المدينه ڈگرى

## (امجدى جامعات)

# الحدیث الاوّل(خلوصِ نیت)

سوال﴿1﴾:اعمال کا دارومدار کس پر ہے؟حدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

الجواب:اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے جیسا کہ امیر المؤمنین ابو حفص عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا:"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کیلئے وہی ہے کہ جس کی اس نے نیت کی لہٰذا جسکی ہجرت اللہ اوراسکے رسول کی طرف ہو (یعنی رضائے الٰہی ورضائے مصطفیٰ کیلئے ہو)تو اسکی ہجرت اللہ اوراس کے رسول ہی کی طرف ہوئی اور جسکی ہجرت دنیا کو پانے یا عورت سے نکاح کرنے کیلئے ہو تو اس کی ہجرت اُسی کی طرف ہوئی جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔ (متفق علیہ)

سوال﴿2﴾: تصحیحِ اعمال کا معیار کیا ہے؟

الجواب: مذکورہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اعمال کی درستگی کا معیار نیت ہے،جہاں نیت درست ہو گی وہاں عمل بھی درست ہو گا اور جہاں نیت فاسد ہو گی وہاں عمل بھی فاسد ہو گا۔

سوال﴿3﴾:جب عمل کے ساتھ نیت مقارِن ہو جائے تو اس کے کتنے اور کونسے احوال ہوتے ہیں؟

الجواب:جب عمل کے ساتھ نیت مل جائے تو اس عمل کے کل 3 احوال ہوتے ہیں جو کہ یہ ہیں:

**الاول: غلاموں کی عبادت:** بندہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے عمل کرے تو یہ غلاموں کی عبادت ہے کہ غلام اپنے آقا کی خدمت صرف اُس کے ڈر سے کرتے ہیں اسی طرح یہ شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی صرف اس کے ڈر سے کر رہا ہے۔

**الثانی: تاجروں کی عبادت:** بندے کا عمل جنت وثواب کیلئے ہو تو یہ تاجروں کی عبادت ہے کہ جس طرح تاجر حضرات نفع کی غرض سے تجارت کرتے ہیں اسی طرح اسکی عبادت جنت وثواب کے نفع کیلئے ہے۔

**الثالث: آزاد لوگوں کی عبادت:** بندہ عمل کرے اللہ سے حیاء کرتے ہوئے، بندگی کا حق اور شکر ادا کرتے ہوئے اور حال یہ ہو کہ اپنے آپ کو کوتاہی کرنے والا جانے اور اس کا دل خائف ہو کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اُس کا عمل قبول کیا گیا یا نہیں اور یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے۔ اسی کی طرف حضور نے اشارہ فرمایا کہ جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قیامِ لیل کی وجہ سے آپ کے متورّم قدمین (دونوں پاؤں سُوجے) دیکھ کر عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالی نے آپ کے صدقے آپکے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "افلا اکون عبدا شکورا" ترجمہ: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

سوال ﴿4﴾: عبادت امید کے ساتھ افضل ہے یا خوف کے ساتھ؟

الجواب: امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی فرماتے ہیں کہ عبادت امید کے ساتھ افضل ہے کیونکہ امید کا مآل (ریزلٹ) محبت نکلتا ہے اور خوف کا نتیجہ مایوسی ہوتا ہے یعنی خوف اپنے پیچھے مایوسی چھوڑتا ہے۔

سوال ﴿5﴾: اخلاص کو کیا چیز عارض آتی ہے اور اسکا حکم کیا ہے؟

الجواب: بسا اوقات اخلاص کو آفتِ عُجُب (خود پسندی کی آفت) عارض آجاتی ہے، اسکا حکم یہ ہے کہ جو اپنے عمل کی وجہ سے خود پسندی کا شکار ہوا تو اسکا عمل برباد ہو گیا جس طرح کہ متکبر (تکبر کرنے والا) کا عمل تکبر کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے۔

سوال ﴿6﴾: جس شخص نے دنیا اور آخرت کو طلب کرنے کیلئے عمل کیا تو اس کے عمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ ایسے شخص کا عمل مردود ہے، اس پر دلیل حدیثِ قدسی ہے کہ "انا اغنی الشرکاء فمن عمل عملا اشرك۔۔ الخ" (مسلم) ترجمہ: میں شرکاء سے بے نیاز ہوں تو جس شخص نے کسی عمل میں میرے غیر کو میرے ساتھ شریک ٹھہرایا تو میں اُس سے بیزار ہوں۔

سوال ﴿7﴾: اخلاص کی تعریف اور ریاء کی اقسام تحریر فرمائیں۔

الجواب: حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ (857۔781ھ) جو کہ جنید بغدادی اور سری سقطی رحمہما اللہ کے استاذ ہیں، اپنی کتاب "الرعایۃ لحقوق اللہ" میں فرماتے ہیں: اخلاص یہ ہے کہ تُو اللہ کی عبادت سے صرف

اللہ تعالی کا ارادہ کرے اور اسکے علاوہ کسی اور کا ارادہ نہ کرے۔ ریا کی 2 قسمیں ہیں: ﴿1﴾: اللہ کی بندگی سے مقصود صرف لوگوں کو دکھانا ہو ﴿2﴾: مخلوق اور خالق دونوں کا ارادہ ہو۔ حکم: یہ دونوں قسمیں عمل کو برباد کر دیتی ہیں۔

سوال ﴿8﴾: "ریاء کی دونوں قسمیں عمل کو برباد کرنے والی ہیں" دلیل سے ثابت کریں۔

الجواب: حضرت ابو نعیم الاصفہانی الشافعی الاشعری رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیۃ الاولیاء" میں بعض اسلاف سے ریاء کی دونوں قسموں کا یہی حکم نقل کیا ہے، اور اس حکم پر بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "الجبار المتکبر، سبحان اللہ عمایشرکون" (ترجمہ کنز الایمان: عظمت والا، تکبر والا، اللہ کو پاکی ہے ان کے شرک سے) سے استدلال کیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ زوجہ، اولاد اور شریک سے بلند و بالا ہے اسی طرح وہ ایسے عمل کو قبول کرنے سے بھی بڑائی والا ہے کہ جس عمل میں اُسکے غیر کو شریک کیا گیا ہو۔

سوال ﴿9﴾: ایسے عمل کا کیا حکم ہے کہ جسکا کچھ حصہ اللہ کیلئے ہو اور کچھ لوگوں کی وجہ سے ہو؟

الجواب: امام ابو لیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ (373-333ھ) فرماتے ہیں کہ جو عمل اللہ تعالیٰ کیلئے ہو وہ مقبول ہے اور جو لوگوں کی وجہ سے ہو وہ مردود ہے، مثال کے طور پر کسی شخص نے ظہر کی نماز ادا کی، اِس ادائیگی سے مقصود اللہ تعالی کی طرف سے مقرر کردہ فرض کو ادا کرنا تھا، لیکن اس نے نماز کے ارکان

اور قراءت کولوگوں کی وجہ سے طویل کیااور ہیئت و کیفیت کو مخلوق کی وجہ خوبصورت بنایا، تو ایسے شخص کی اصلِ نماز تو مقبول ہے کہ جو خالص اللہ کیلئے تھی، جبکہ طوالتِ صلوٰۃ اور حسنِ صلوٰۃ غیر مقبول ہے کیونکہ اس میں لوگوں کو دکھاوے کا ارادہ کیا گیا تھا۔

سوال﴿10﴾: شیخ عزالدین نے تو ایسے عمل کے ضائع نہ ہونے کا کہا ہے، تو اسکی کیا توجیہ ہو گی؟

الجواب: شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے جب ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا کہ جس نے لوگوں کی وجہ سے نماز کو طویل کیا، تو آپ نے فرمایا: میں امید رکھتا ہوں کہ اس کا عمل برباد نہ ہو گا۔ حضرت کے اس قول سے بھی یہی مراد ہے کہ جو پچھلے جواب میں گزرا یعنی اصلِ نماز مقبول ہونے کی امید ہے کہ جو اللہ کیلئے تھی، جبکہ طولِ صلوٰۃ یا حسنِ صلوٰۃ جو غیر اللہ کی وجہ سے تھے مردود ہی ٹھہریں گے۔

تنبیہ: یہ حکم تب ہے کہ جب صفتِ عمل میں شریک ٹھہرایا گیا ہو، اگر اصلِ عمل میں ہوئیں کہ فرض نماز کی ادائیگی اللہ اور لوگوں کی وجہ سے ہو تو یہ نماز مقبول نہ ہو گی کیونکہ اصلِ عمل میں شریک ٹھہرایا گیا

سوال﴿11﴾: کیا ترکِ عمل میں بھی ریاء کا اندیشہ ہے؟

الجواب: جی ہاں جس طرح عمل کرنے میں ریاکاری ہوتی ہے اسی طرح عمل چھوڑنے میں بھی ریاکاری کا اندیشہ ہوتا ہے، چناچہ قاضی فضیل بن عیاض (المتوفی: 803ھ) فرماتے ہیں: لوگوں کی وجہ سے عمل

چھوڑنا ریاکاری ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں سے عافیت عطا فرمادے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نے عبادت کرنے کا عزم کیا لیکن اس کو اس وجہ سے ترک کر دیا کہ لوگ دیکھتے ہیں تو وہ ریاکار ہے کیونکہ لوگوں کی وجہ سے ترکِ عمل ریاکاری ہے۔

سوال﴿12﴾: خلوت (تنہائی) میں عمل کی ادائیگی کی غرض سے اعلانیہ ترکِ عمل کرنا کیسا؟

الجواب: نماز نفل کو اعلانیہ اس لئے نہ پڑھا کہ تنہائی میں پڑھوں گا تو یہ مستحب و پسندیدہ ہے۔ البتہ فرض نماز، زکوٰۃ اعلانیہ ادا کرنا ہی افضل ہے تاکہ تہمت سے بچے، اسی طرح مقتدٰی بہ عالم (ایسا عالم کہ جس کی لوگ پیروی کرتے ہیں) کیلئے بھی افضل یہ ہے کہ اعلانیہ عبادت کرے تاکہ متبعین کو رغبت ملے۔

سوال﴿13﴾: کیا تسمیع (سنانا) بھی ریاکاری کی طرح اعمال کو برباد کر دیتا ہے؟

الجواب: جی ہاں، جس طرح ریاکاری عمل کی بربادی کا سبب ہے اسی طرح تسمیع (سُمعہ، سنانا) بھی اعمال کو اکارت کر دیتا ہے، تسمیع کی تعریف یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی رضا کیلئے تنہائی میں کوئی کام کرنا پھر لوگوں کو اپنے اُس عمل کے بارے میں بتانا۔ اور تسمیع کی وجہ سے اعمال برباد ہونے کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ملاحظہ ہو، چناچہ محبوبِ رب العالمین نے فرمایا: "من سمع سمع الله به ۔۔۔ الخ" (مسلم)، ترجمہ: جو شخص لوگوں کو سنانے کیلئے عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اُسکی ذلت لوگوں کو سُنائے

گااور جولوگوں کو دکھانے کیلئے عمل کرے گااللہ تعالیٰ اسکے عیوب لوگوں کو دکھائے گا۔البتہ اس مقام پر کچھ مستثنیات بھی ہیں یعنی اس حکم سے علیحدہ ہیں جیسا کہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایساعالم کہ جسکی اقتداء کی جاتی ہو اگروہ اپنے پوشیدہ عمل کے بارے میں اپنے سامعین کو اس لئے بتاتا ہے کہ ان کو بھی رغبت ملے تواس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال﴿14﴾:نماز کی قبولیت کیلئے نمازی میں کتنی اور کونسی خصلتیں ہونی چاہئیں؟

الجواب:مرزبانی(مرزبانی سے مشہور توابوعبیداللہ محمد بن عمران،994-910م،384-297ھ ہے جو کہ عجمی النسل،خراسانی الاصل،عربی ادب میں ماہر،معتزلی تھا) کہتے ہیں:قبولیتِ نمازکیلئے نمازی 4 چیزوں کی طرف محتاج ہوتا ہے﴿1﴾:دل کوحاضر رکھنا ﴿2﴾:عقل کوحاضر رکھنا ﴿3﴾:ارکان کوخضوع کے ساتھ اداکرنا﴿4﴾:اعضاء میں خشوع ہونا۔جس نے دل کوحاضر کئے بغیر نمازپڑھی تووہ کھیلنے والا نمازی ہے،اور جس نے عقل کوحاضر کئے بغیر نمازاداکی تووہ بھولنے والا نمازی ہے، اور جس نے ارکان کے خضوع کے بغیر نمازپڑھی تووہ رُوکھانمازی ہے،اور جس نے اعضاءکے خشوع کے بغیر نمازاداکی تووہ خطاء کرنے والا نمازی ہے،اور جس نے نماز کی ادائیگی ان تمام خصلتوں کے ساتھ کی تووہ کام مکمل کرنے والا نمازی ہے۔

سوال﴿15﴾:"انما الاعمال بالنیات" کی اربعین نووی کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب: مذکورہ فرمان سے مراد فرمانبرداری والے اعمال ہیں یعنی جن کے کرنے کا حکم ہے وہ اعمال مراد ہیں نہ کہ مباح اعمال کہ جن کا کرنا یا نہ کرنا برابر ہے کیونکہ مباح اعمال کا مدار نیتوں پر نہیں ہوتا جیسا کہ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص مباح عمل میں داخل نہیں ہوتا کیونکہ مباح عمل نہ تو خود قربت پر مشتمل ہوتا ہے اور نہ ہی کسی قربت تک پہنچانے والا ہوتا ہے جیسے بغیر کسی نیک غرض کے خواہشِ نفس اور تقاضائے طبیعت کی تکمیل کیلئے عمارت بلند کرنا۔ البتہ اگر کسی نیک غرض سے ہو تو مستحب ہے جیسے مساجد کی تعمیرات، پل اور مسافر خانے بنوانا۔

سوال﴿16﴾: کیا حرام اور مکروہ افعال میں بھی اخلاص ہوتا ہے؟

الجواب: حرام اور مکروہ افعال میں کوئی اخلاص نہیں جیسے وہ شخص کہ جو ایسی چیز کی طرف دیکھے کہ جس طرف دیکھنا اس کیلئے حلال نہیں اور یہ گمان کرتا ہو کہ وہ اس لئے اس چیز کو دیکھ رہا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی بناوٹ میں غور کرے جیسا کہ امرد کی طرف نظر کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ حرام و مکروہ افعال میں اخلاص تو دور قربت ہی نہیں ہوتی، اور جہاں قُربت نہیں وہاں اخلاص بھی نہیں ہو گا۔

سوال﴿17﴾: صدق و اخلاص کے درمیان فرق بیان کریں۔

الجواب: بندے کے ظاہر و باطن اور سر و جہر کی یکسانیت (برابری) کا نام صدق ہے۔ صدق تمام مقامات واحوال کے متحقق ہونے پر ثابت ہوتا ہے یہاں تک کہ صدق اخلاص کے بعد کا درجہ ہے لہٰذا جہاں صدق ہو گا وہاں اخلاص ہو گا لیکن اس کا عکس ضروری نہیں، کیونکہ اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ عبادت سے صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرنا، بسا اوقات بندہ نماز سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرتا ہے لیکن وہ حضورِ دل (دل کی حاضری) سے غافل ہوتا ہے، یہاں اخلاص تو پایا گیا کہ عبادت سے صرف اللہ کا ارادہ کیا لیکن صدق نہیں پایا گیا کیونکہ صدق یہ ہے کہ دل کو حاضر کر کے عبادت سے صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرنا۔

سوال ﴿18﴾: صدق واخلاص میں نسبت بیان کریں۔

الجواب: ہر صادق مخلص ہے لیکن ہر مخلص صادق ہو یہ ضروری نہیں بلکہ بعض مخلص صادق ہو بھی سکتے ہیں اور دیگر بعض نہیں بھی، صدق اور اخلاص میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے کہ صدق اخص مطلق ہے اور اخلاص اعم مطلق جیسے کہ انسان اور حیوان، ان میں مادہ اجتماعی یہ ہے کہ جب نماز حضورِ دل سے اللہ کیلئے پڑھی جائے تو صدق اور اخلاص دونوں ہیں، اور مادہ افتراقی یہ ہے کہ بغیر حضورِ دل کے اللہ تعالیٰ کیلئے نماز پڑھی جائے تو اخلاص تو ہے لیکن صدق نہیں۔

تنبیہ: علامہ نووی نے فرمایا کہ " اخلاص صدق کا محتاج ہوتا ہے اور صدق کسی کا محتاج نہیں ہوتا"، اس میں نظر ہے کہ خود علامہ نے آگے جو مثال دی اس میں محتاج (اخلاص) بغیر محتاج الیہ (صدق) کے پایا جارہا ہے جبکہ محتاج کا وجود بغیر محتاج الیہ کے وجود کے نہیں ہو سکتا نیز علامہ نے ان کے درمیان نسبت عموم خصوص مطلق کی بیان فرمائی ہے جیسا کہ "کل صادق مخلص ولیس کل مخلص صادق" سے ظاہر ہے اور عموم خصوص مطلق میں دو کلیوں میں سے ایک اعم مطلق جبکہ دوسری اخص مطلق ہوتی ہے، اب اگر اخلاص کو اعم مطلق اور صدق کو اخص مطلق کہیں تو محتاج کا محتاج الیہ سے عام ہونا لازم آتا ہے اور اگر اخلاص کو اخص اور صدق کو اعم مانیں تو کل صادق مخلص والے قضایا غلط قرار پاتے ہیں۔ اسکا حل میری ناقص سمجھ کے مطابق یہ ہے کہ عبارت میں طباعت کی غلطی مان کر یوں درستگی کر لی جائے "حتی ان الصدق یفتقر الی الاخلاص، والاخلاص لایفتقر الی الصدق او الی حضور قلب" اس طرح محتاج (صدق) اور محتاج الیہ (اخلاص) کا تعین حقیقت کے مطابق ہو جائے گا اور تمام نظر بھی ختم۔

سوال ﴿19﴾: "انما الاعمال" میں اعمال کے احتمالات بیان فرمائیں نیز مستثنیات بھی بیان فرمائیں۔

الجواب: اعمال میں یہ احتمالات ہو سکتے ہیں۔ ☆ صحتِ اعمال ☆ تصحیح اعمال ☆ قبولیتِ اعمال ☆ کمالِ اعمال اس آخری احتمال کو امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (150-80ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لیا ہے۔

**الاعمال سے مستثنیات:** الاعمال سے وہ اعمال خارج ہیں کہ جن کا تعلق تروک سے ہے جیسے نجاست کو دور کرنا، غصب شدہ مال اور عاریۃ لی ہوئی اشیاء کو لوٹانا وغیرہ۔

سوال ﴿20﴾: کیا ردِّ مغصوبہ وغیرہ افعال بغیر نیت کے صحیح ہو جاتے ہیں؟

الجواب: ان افعال کی صحت نیت پر موقوف نہیں، یہ سب کام نیت کے بغیر بھی صحیح ہوتے ہیں، البتہ ان افعال کی ادائیگی میں ثواب کا حصول تقرب کی نیت پر موقوف ہے، مثال کے طور پر کوئی شخص اپنے جانور کو کھانا کھلانے میں اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے کی نیت کرے تو ثواب پائے گا اور اگر اپنے مال کی حفاظت کیلئے کھانا کھلائے تو ثواب نہیں پائے گا اسکو القرافی نے ذکر کیا ہے، اسی طرح بیوی کے حقوق کی ادائیگی، دروازہ بند کرنا، سوتے وقت چراغ بجھانا وغیرہ افعال کا حکم ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم اور سنتِ رسول کی بجاآوری کا ارادہ کرے تو ثواب پائے گا اور اگر ارادہ نہ کیا تو ثواب نہ پائے گا اور مجاہد کے گھوڑے کو اس حکم سے استثناء حاصل ہے جبکہ اُسے اللہ کی راہ میں باندھا گیا ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ گھوڑا جب پانی پیئے گا تو مجاہد کو ثواب ملے گا اگرچہ مجاہد نے سیر اب کرنے کا ارادہ نہ کیا ہو جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

سوال ﴿21﴾: نیت کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں نیز عزم کی تعریف کیجئے۔

الجواب:**نیت کا لغوی معنٰی**"القَصدُ"یعنی ارادہ کرنا جیسے کہا جاتا ہے"نواك الله بخير"یعنی اللہ تعالی تجھ سے بھلائی کا ارادہ فرمائے۔**نیت کا اصطلاحی معنٰی:**"قصد الشیء مقترنا بفعله"یعنی کسی کام کا ارادہ کرنا اس حال میں کہ وہ ارادہ کام کے کرنے سے ملا ہوا ہو۔**عزم کی تعریف:** کسی کام کا ارادہ کرنا اس حال میں کہ وہ کام ارادے سے مؤخر ہو۔

سوال﴿22﴾:نیت کیوں مشروع ہوئی؟ مفصّل بیان فرمائیں۔

الجواب: نیت 2 وجہ سے مشروع ہوئی☆**عادت اور عبادت میں تمیز دینے کیلئے**☆**عبادت کے رتبوں میں بعض کو بعض سے ممتاز کرنے کیلئے**۔ہر ایک کی 2،2 مثالیں ملاحظہ ہوں۔

**المثال الاول للقسم الاول: الجلوس فی المسجد**:عادت اور عبادت میں تمیز دینے کی پہلی مثال ہے مسجد میں بیٹھنا،اسکی وضاحت یہ ہے کہ کبھی تو یہ کام عادۃ ہوتا ہے جیسے راحت حاصل کرنے کیلئے مسجد میں بیٹھنا اور کبھی یہ کام بطورِ عبادت ہوتا ہے جیسے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں بیٹھنا، فعل ایک ہی ہے لیکن ایک عادت اور دوسرا عبادت ہے ،اب عادت اور عبادت میں تمیز دینے والی چیز نیت ہے۔**المثال الثانی للقسم الاول: الغسل**:عادت اور عبادت میں تمیز دینے کی دوسری مثال ہے غسل کرنا،اسکی وضاحت یہ ہے کہ کبھی تو یہ کام عادۃ ہوتا ہے جیسے بدن کی نظافت کیلئے نہانا اور کبھی یہ کام بطورِ عبادت ہوتا ہے جیسے جمعہ

وعیدین کیلئے غسل کرنا، فعل ایک ہی ہے لیکن ایک عادت اور دوسرا عبادت ہے، اب عادت اور عبادت میں تمیز دینے والی چیز نیت ہے۔

نوٹ:۔ اسی معنٰی کی طرف حضور نے اشارہ فرمایا کہ جب آپ سے ایسے اشخاص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ☆جو دِکھاوے کیلئے لڑے ☆جو تعصب کیلئے لڑے ☆جو شجاعت کیلئے لڑے، کہ ان میں سے کون اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہے؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا: "من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا۔۔ الخ" (مسلم) ترجمہ: جو شخص اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے لڑے در حقیقت وہ ہی اللہ کی راہ میں ہے۔

**المثال الاول للقسم الثانی: الصلوٰۃ:** عبادت کے رتبوں میں تمیز دینے کی پہلی مثال ہے 4رکعت نماز کی ادائیگی، اسکی وضاحت یہ ہے کہ کبھی تو انہی 4رکعات سے ظہر کے فرضوں کی ادائیگی ہوتی ہے اور کبھی ان کو بطورِ سنتِ ظہر ادا کیا جاتا ہے، فعل دونوں جگہ ایک ہے اور عبادت ہے لیکن ایک کا رتبہ فرض کا ہے اور دوسرے کا سنت کا، اب عبادت کے فرض و سنت کے رتبے میں تمیز دینے والی چیز نیت ہے۔ **المثال الثانی للقسم الثانی: العِتق (آزاد کرنا):** عبادت کے رتبوں میں تمیز دینے کی دوسری مثال ہے غلام آزاد کرنا، اسکی وضاحت یہ ہے کہ کبھی تو غلام کو کفارے کی ادائیگی میں آزاد کیا جاتا تھا اور کبھی اسکے علاوہ کسی اور مقصد سے جیسے کہ مَنّت کے طور پر غلام آزاد کرنا، فعل دونوں جگہ ایک ہے اور عبادت بھی ہے

لیکن ایک کا رتبہ فرض کا ہے اور دوسرے کا واجب کا، اب عبادت کے رتبوں میں بعض کو بعض سے ممتاز کرنے والی چیز نیت ہے۔

سوال﴿23﴾: عبادت میں نائب بنانا اور نفسِ نیت کا وکیل بنانا کیسا؟

الجواب: حضور ﷺ کا فرمان "وانما لکل امرىء مانوی" اس بات پر دلیل ہے کہ عبادات میں نائب بنانا اور نفسِ نیت کا کسی کو وکیل بنانا جائز نہیں اسی طرح قدرت ہوتے ہوئے حج میں نائب بنانا جائز نہیں۔ اس حکم سے زکوٰۃ بانٹنے، قربانی کا جانور ذبح کرنے کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کہ ان دونوں میں نائب بنانا اور نفسِ نیت کا وکیل بنانا بھی درست ہے۔ قرض کی ادائیگی کے مسئلے میں 2 صورتیں ہیں ☆ قرض ایک ہی جہت سے ہو: اگر تو قرض ایک ہی قسم کا ہو تو نیت کی حاجت ہی نہیں، بلا نیت کے بھی ادائیگی درست ہو گی ☆ قرض ایک سے زائد جہات سے ہو: اگر قرض 2 الگ جہتوں سے ہو تو تعیین کی جائے گی اور اگر دیتے وقت کوئی نیت نہیں تھی تو بعد میں کرلے اور اس مقام پر نیتِ مؤخرہ (عمل کے بعد کی جانے والی نیت) بھی معتبر ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص پر ایک ہزار قرض کے اور ایک ہزار رہن کے ہیں، اب اس نے 1000 قرض کی ادائیگی کی نیت سے دیئے تو درست ہے، اور اگر بغیر نیت کے دے دیئے تو اب نیت کرلے اور جس سے چاہے شمار کرلے یعنی قرض کے ہزار یا رہن کے ہزار۔

سوال﴿24﴾: کیانیت عمل سے مؤخر ہو سکتی ہے؟(کیاکام کرنے کے بعد نیت ہو سکتی ہے؟)

الجواب: امام نووی فرماتے ہیں کہ شوافع کے نزدیک نیت عمل سے مؤخر نہیں ہو سکتی اور قرض والی صورت کے علاوہ اور کہیں بھی ایسی نیت درست نہیں ہوتی کہ جو کام کر لینے کے بعد کی گئی ہو۔

سوال﴿25﴾: ہجرت کے معنی کیا ہیں، نیز ہجرت کا اطلاق کن امور پر ہوتا ہے؟

الجواب: ہجرت کا معنی علیحدگی، جدائی، چھوڑنے کے ہیں۔ ہجرت کا لفظ کئی امور پر بولا جاتا ہے

☆**الاولی: مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت:** جب مشرکینِ مکہ نے حضور ﷺ اور آپکے اصحاب پر ظلم و ستم کی آندھیاں چلائیں تو کچھ صحابہ نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی جہاں نجاشی کی حکومت تھی، یہ ہجرت بعثتِ نبوی کے 5 سال بعد ہوئی۔

☆**الثانیۃ: مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت:** یہ ہجرت بعثتِ نبوی کے 13 سال بعد ہوئی، اور یہ ہر مکی مسلمان پر واجب تھی، علماء کی ایک جماعت نے مطلقا یہ بیان فرمایا ہے کہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت واجب تھی، حالانکہ یہ قول اپنے اطلاق پر نہیں ہے کیونکہ در حقیقت مدینے کی اپنی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ اصل خصوصیت تو مدینے والے کی ہے، جیسا کہ امامِ اہلسنت فرماتے ہیں

ع: ہوتے کہاں خلیل و بناء، کعبہ و منیٰ☆☆☆☆لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

لہٰذا ہجرت کا اصل وجوب حضور کی طرف تھا پھر چونکہ حضور نے اپنے وجودِ مسعود سے مدینے کو شرف بخشا اس لئے مدینے کی طرف ہجرت کا کہ دیا اور یہ مکان کو مکین کے درجے میں رکھنے کے قبیلے سے ہے۔

☆**الثالثۃ: قبائل کی حضور کی طرف ہجرت:** مختلف قبائل سے وفود کا حضور کی بارگاہ میں آنا تاکہ دینی احکام سیکھیں اور واپسی پر اپنی قوم کے لوگوں کو دین سکھائیں (فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ۔۔الآیۃ)

☆**الرابعۃ: اہلِ مکہ میں سے جو اسلام لائے اسکی ہجرت:** اس شخص کا ہجرت کرنا کہ جو مکہ میں اسلام لایا تاکہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دے اور پھر واپس اپنی قوم میں لوٹ جائے۔

☆**الخامسۃ: دارالحرب سے ہجرت:** ممالکِ غیر اسلامیہ سے ممالکِ اسلامیہ کی طرف ہجرت کرنا، کسی مسلمان کیلئے کفرستان میں اقامت رکھنا جائز نہیں، ماوردی (ابوالحسن علی بن محمد البصری الشافعی الماوردی 1058۔972م، معتزلہ سے ہمدردی رکھتے تھے) کہتے ہیں کہ اگر تو اس شخص کا خاندان وہاں آباد ہے اور دین کا اظہار ممکن ہے تو اب اس کیلئے ہجرت کرنا جائز نہیں بلکہ وہ ہی علاقہ اس کیلئے دارالاسلام ہے۔

☆**السادسۃ: مسلمان بھائی سے ہجرت:** اپنے مسلمان بھائی کو بلاوجہِ شرعی 3 دن سے زائد چھوڑ دینا حرام ہے اور 3 دن تک مکروہ ہے۔☆**السابعۃ: شوہر کی ہجرت:** جب بیوی کی نافرمانی ثابت ہو جائے تو شوہر کا اپنی بیوی سے ہجرت کرنا، جیسا کہ رب العالمین کا فرمان ہے "واھجروھن فی المضاجع" ترجمہ

کنزالایمان: ان سے الگ ہوؤ۔ اور اسی سے ہے گناہگاروں سے سلام، کلام، اٹھک، بیٹھک ترک کرنا۔

☆**الثامنۃ: ممنوعات سے اجتناب:** ہر اس چیز سے ہجرت کرنا کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور یہ سب سے عام ہجرت ہے۔

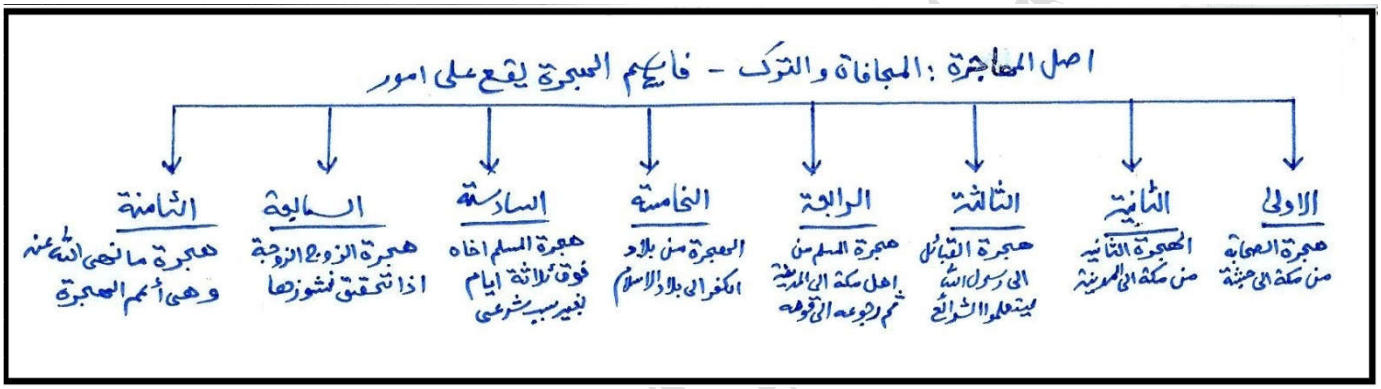


سوال ﴿26﴾: زمین میں ہربا (فرار ہونا) وطلبا سفر کرنے کی اقسام بیان فرمائیں۔

الجواب: ابن عربی (ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد بن عربی الحاتمی الطائی المعروف: محی الدین ابن عربی (560-638ھ) مصنف الفتوحات المکیۃ) فرماتے ہیں کہ علماء نے سفر کو ابتدائی طور پر 2 قسموں کی طرف تقسیم کیا ہے ﴿1﴾ سفر کرنا کسی سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے ﴿2﴾ کسی کی طلب میں سفر کرنا۔

**پہلی قسم: کسی سے بچنے کیلئے زمین میں سفر کرنے کی کل 6 اقسام ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔**

☆**الاول: دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف سفر کرنا،** یہ قیامت تک باقی ہے اور حضور کی حدیث ("لاهجرة بعد الفتح" مسلم) میں جو فتح کے بعد ہجرت کے منقطع ہونے کا فرمایا گیا تو اس سے مراد یہ

ہے کہ فتحِ مکہ سے پہلے جو ہجرت کا حکم تھا کہ حضور جہاں موجود ہوں اسی طرف ہجرت کی جائے وہ حکم فتحِ مکہ کے بعد ختم ہو گیا، اب دارالحرب سے کسی بھی دارالاسلام کی طرف ہجرت کر سکتے ہیں خاص مدینے کی طرف ہجرت کرنا لازم نہیں۔ ☆الثانی: ایسی زمین سے نکلنا کہ جہاں بدعات رائج ہوں، ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے مالک کو کہتے ہوئے سُنا کہ کسی کیلئے حلال نہیں کہ وہ ایسی زمین میں قیام کرے کہ جس میں اسلاف کو گالی دی جاتی ہو۔ ☆الثالث: ایسی زمین سے نکلنا کہ جہاں حرام کا غلبہ ہو چکا ہو، کیونکہ طلبِ حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ☆الرابع: بدن میں تکلیف پہنچنے کے ڈر سے سفر کرنا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اس معاملے میں رخصت عطا فرمائی کہ جب بندے کو کسی جگہ اپنی جان کا خطرہ ہو تو وہ وہاں سے امن والی جگہ چلا جائے، اور سب سے پہلے یہ ہجرت حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی کہ جب انہیں اپنی قوم سے خوف محسوس ہوا تو ارشاد فرمایا "انی مھاجر الی ربی" ترجمہ کنزالایمان: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "فخرج منھا خائفا یترقب" ترجمہ کنزالایمان: تو اس شہر سے نکلا ڈرتا ہوا اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے۔ ☆الخامس: بیماری لگنے کے خوف سے وبائی امراض کی سرزمین سے درست زمین کی طرف نکلنا، حضور نے قبیلۂ عرینہ سے تعلق

رکھنے والے لوگوں کو چراگاہ کی طرف نکلنے کی اجازت دی کہ جب انہیں مدینے کی ہوا موافق نہ آئی (حقیقت میں مدینے کی ہوا نے انہیں ناموافق پایا)۔☆السادس:مال کے نقصان کے خوف سے سفر کرنا۔کیونکہ مسلمان کے مال کی حرمت ایسی ہے جیسی اس کے خون کی حرمت۔

دوسری قسم:کسی چیز کی طلب میں سفر کرنے کی ابتدائی طور پر 2 قسمیں ہیں﴿1﴾طلبِ دین کیلئے سفر کرنا﴿2﴾طلبِ دنیا کیلئے سفر کرنا۔پھر پہلی قسم 9 قسموں کی طرف منقسم ہوتی ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں

☆الاول:سفر عبرت،اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے"اولم یسیروافی الارض فینظرواکیف کان عاقبة الذین من قبلھم"ترجمہ کنزالایمان:اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے کہ اُن سے اگلوں کا انجام کیسا ہوا۔اور حضرت ذوالقرنین نے عجائباتِ دنیا دیکھنے کیلئے دنیا کا سفر کیا۔☆الثانی:سفر حج۔

☆الثالث:سفر جہاد۔ ☆الرابع:سفر معاش۔☆الخامس:طلبِ علم کیلئے سفر۔☆السادس:تجارت اور ضرورت کی خوراک سے زائد کمانے کیلئے سفر اور یہ جائز ہے جیسا کہ رب قدیر کا فرمان ہے"لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم"ترجمہ کنزالایمان:تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔☆السابع: مقدس مقامات کی زیارت کیلئے سفر جیسے کہ حضور نے ارشاد فرمایا:"لاتشدالرحال الاالی ثلاثة مساجد"یعنی زیادتیِ ثواب کی نیت سے 3 مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ

کرو۔ ☆الثامن:سرحدوں کی پہرہ داری کیلئے سفر کرنا۔☆التاسع:اسلامی بھائی کی زیارت کیلئے سفر کرنا۔ حضور نے ارشاد فرمایا:ایک شخص اپنے بھائی سے ملنے کیلئے ایک دوسری بستی میں گیا، اللہ تعالیٰ نے اُس کے راستے میں ایک فرشتہ بھیجا، فرشتے نے اس سے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس شخص نے کہا: اس بستی میں میرا ایک بھائی ہے اس سے ملنے کا ارادہ ہے، فرشتے نے پوچھا: کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے کہ جسکی ادئیگی مقصود ہے؟ اس نے کہا: اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ مجھے اس سے صرف اللہ کیلئے محبت ہے، تب اس فرشتے نے کہا: میں تمہارے پاس اللہ کا یہ پیغام لایا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت فرماتا ہے جس طرح تم اس شخص سے محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت کرتے ہو (مسلم)۔

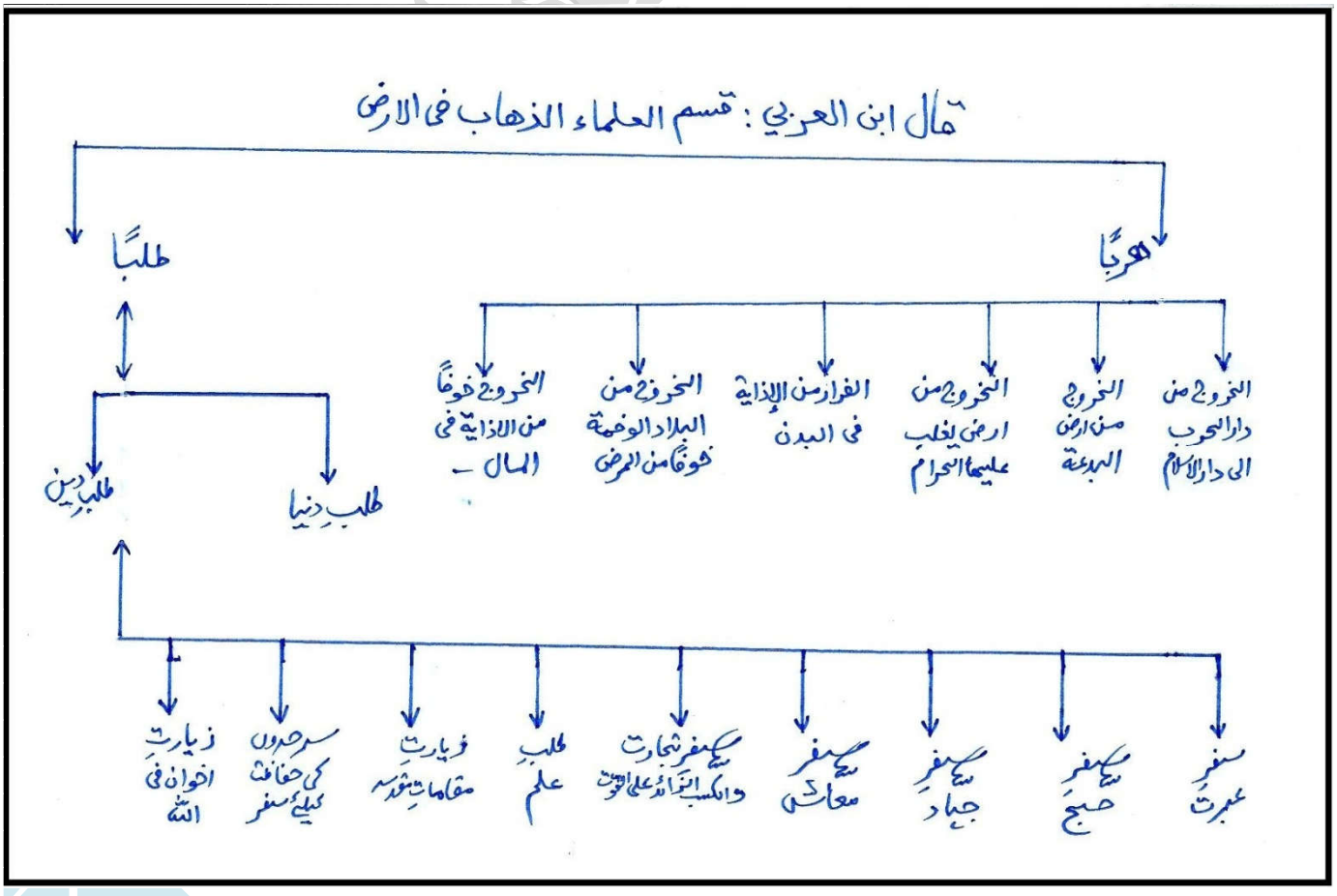

سوال﴿27﴾: مہاجرِ امِّ قیس سے کیا مراد ہے؟

الجواب: محدثین نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی لیکن اس نے ہجرت کی فضیلت کو پانے کا ارادہ نہ کیا بلکہ اس لئے ہجرت کی تھی کہ امِّ قیس نامی عورت سے نکاح کرے، اسی لئے اس شخص کو امّ قیس کا مہاجر کہا جانے لگا۔

سوال﴿28﴾: نکاح دینی کاموں میں سے ہے اور شرعا مطلوب بھی پھر اس پر ملامت کیوں کی گئی؟

الجواب: نکاح بالکل دینی کاموں اور شرعی مطلوبات سے ہے لیکن یہاں وہ شخص ظاہری طور پر نکاح کیلئے نہیں نکلا تھا بلکہ ظاہری طور پر ہجرت کیلئے نکلا تھا اور باطنی طور پر نکاح کا ارادہ تھا، لہٰذا ظاہر و باطن میں مخالفت کی وجہ سے عتاب و ملامت کا حقدار ٹھہرا۔ اسی پر قیاس کیا گیا ہے اس شخص کو کہ جو ظاہری طور پر حج کیلئے سفر کرے لیکن ارادہ تجارت کا ہو، اسی طرح وہ کہ جو ظاہری طور پر طلبِ علم کیلئے نکلے لیکن باطنی طور پر ریاست یا ولایت کے حصول کا ارادہ ہو۔

سوال﴿29﴾: اگر کسی عمل میں دینی اور دنیاوی دونوں طرح کی نیتیں ہوں تو اس عمل کا کیا حکم ہو گا؟

الجواب: حدیث کا ظاہر تو اس بات کا مقتضی ہے کہ دین کے ساتھ دنیا کی نیت کرنے والے کیلئے کوئی ثواب نہ ہو لیکن حدیث کو اس پر محمول کیا جانا چاہئے کہ اگر دینی غرض اصل اور دنیاوی غرض ضمناً ہو تو اس

عمل پر ثواب ملے گا اگرچہ یہ عمل ثواب اور درجے میں اس عمل سے کم ہو گا کہ جو خالص دینی غرض سے کیا گیا ہو اور اگر عمل کا محرِّک دونوں قسم کی نیتیں ہوں تو حصولِ ثواب کا بھی احتمال ہے کہ وہ عمل صرف دنیاوی غرض سے نہیں کیا گیا بلکہ دینی مقصد بھی موجود ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ ثواب نہ ہو کیونکہ اخروی عمل کو دنیاوی عمل کے ساتھ ملا دیا گیا ہے، امام نووی دونوں احتمالات کی توثیق کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں قصدِ مجرد پر حکم مرتّب ہے یعنی کوئی بھی ارادہ ہو تو اس پر کیا حکم لگے گا یہ بیان ہوا ہے، اب جس نے دینی و دنیوی دونوں قسم کے ارادے کئے تو اس کو یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس نے صرف دنیا کا ارادہ کیا ہے اور جب قصدِ مجرد نہیں یعنی صرف ایک قسم کا ارادہ نہیں تو مذکورہ حدیث بھی ایسی صورت پر دال نہیں لہٰذا ثواب ملنے اور نہ ملنے کے دونوں احتمالات ہوئے۔

## الحدیث الثانی (حدیثِ جبریل)

سوال ﴿1﴾: ایمان اور اسلام کی تعریف بیان کریں نیز ایمان اور اسلام میں فرق واضح کریں؟

الجواب: **ایمان کا لغوی معنیٰ:** مطلقاً کسی چیز کی تصدیق کرنا۔ **ایمان کا شرعی معنیٰ:** شرعی اعتبار سے ایمان ایک خاص تصدیق کا نام ہے اور وہ تصدیقِ خاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتابوں، رسولوں، آخرت کے دن اور تقدیر کے اچھے، بُرے ہونے کی تصدیق کرنا، اسی کو حضور ﷺ نے بیان فرمایا "ان تؤمن

باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ۔۔۔۔وشرہ"۔ اسلام: واجبات کی ادائیگی اوراعمالِ ظاہرہ کی بجاآوری کانام اسلام ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں حضور ﷺ نے اعمال کی ادائیگی کوہی اسلام فرمایاہے۔

سوال﴿2﴾: ایمان اوراسلام میں فرق بیان فرمائیں۔

الجواب: ظاہری مفہوم ومصداق کے اعتبار سے تو یہ دونوں لفظ تقریباً ایک ہی مفہوم کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن اس اعتبار سے ان دونوں کے درمیان فرق ہے کہ "ایمان" سے عام طور پر تصدیق قلبی اور احوال باطنی مراد ہوتے ہیں جب کہ "اسلام" سے اکثر وبیشتر ظاہری اطاعت وفرمانبرداری مراد لی جاتی ہے اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ "وحدانیت، رسالت اور شریعت کو ماننے اور تسلیم کرنے" کا جو باطنی تعلق دل ودماغ سے قائم ہوتا ہے اس کو "ایمان" سے تعبیر کرتے ہیں اور اس باطنی تعلق کا جو اظہار عمل جوارح کے ذریعہ ظاہری احوال سے ہوتا ہے اس کو "اسلام" سے تعبیر کرتے ہیں، چناچہ ارشادِ خداوندی ہے: "قالت الاعراب اٰمنا۔۔۔"ترجمہ کنزالایمان: گنوار بولے ہم ایمان لائے، تم فرماؤتم ایمان تونہ لائے ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع ہوئے۔ وضاحت: منافقین کو مؤمن کہلوانے سے اس لئے منع کیا کہ وہ اگرچہ نماز پڑھتے، روزے رکھتے اور صدقہ دیتے تھے لیکن ان کے دل انکاری تھے لہٰذا جب انہوں نے ایمان کا دعوٰی کیا تو اللہ تعالٰی نے ان کو انکے دعوٰی ایمانی میں جھوٹا قرار دیا کیونکہ ایمان دل کی تصدیقِ

خاص کا نام ہے اور منافقین کے دل اس تصدیقِ خاص سے خالی اور کفروانکار سے بھرپور تھے اور ان کو مسلمان قرار دیا کیونکہ وہ نمازوغیرہ ظاہری اعمال کرتے تھے اور اسلام ظاہری اعمال کا ہی نام ہے۔

سوال﴿3﴾: رسالت کی گواہی دینے کے باوجود منافقین کو جھوٹا کیوں کہا؟

الجواب: سورۃ المنافقون میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اذاجاءك المنٰفقون۔۔۔"ترجمہ کنزالایمان: جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقینا اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اُس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ منافق اپنے اس قول "انك لرسول الله" کو گواہی کا نام دینے میں جھوٹے تھے کیونکہ شہادت بالرسالۃ (رسالت کی گواہی) کیلئے قولِ لسانی واعتقادِ جنانی کا ایک ہونا ضروری ہے یعنی جو زبان پر ہو وہ ہی دل میں بھی ہو جبکہ منافقین کی زبانوں پر تو حضور کی رسالت کی گواہی تھی لیکن دلوں میں انکار تھا لہٰذا جب وہ اپنے شہادتِ رسالت کے دعوی میں جھوٹے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا۔

سوال﴿4﴾: اسلام کے صحیح ہونے کیلئے کیا شرط ہے؟

الجواب: اسلام کے صحیح ہونے کیلئے ایمان شرط ہے۔ بغیر ایمان (تصدیقِ خاص) کے نیک اعمال بے کار ہیں، اللہ تعالیٰ سورۃ الذاریات میں فرماتا ہے "فاخرجنا من كان فيها من المؤمنين۔۔"ترجمہ کنز

الایمان:توہم نے اس شہر میں جو ایمان والے تھے نکال لئے ،توہم نے وہاں ایک ہی گھر مسلمان پایا۔

وضاحت:مذکورہ آیتِ مبارکہ میں استثناءِ متصل ہے اوراستثناءِ متصل کیلئے مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا ضروری ہے لہٰذا معنی یہ ہوا کہ جن کو نکالا گیا وہ ایمان والے تھے اورایسے ایمان والوں کی تعداد کیا تھی ؟فرمایا: ایک گھر جو ایمان والے مسلمانوں کا تھا،کیونکہ اگر وہ صرف مسلمان ہوتے اورایمان والے نہ ہوتے تومؤمنین سے استثناءِ متصل کرنا درست نہ ہوتا، کیونکہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ ہم جنس نہ ہوتے۔

ثانیا یہ کہ ایمان(تصدیقِ خاص)کی وجہ سے اہلِ ایمان کو عذاب سے بچایا گیا تھااوردیگر کو ایمان نہ لانے کے سبب موردِ عذاب ٹھہرایا گیا تھااب اگر مسلمین سے مراد بغیر ایمان کے صرف اسلام والے ہوں تو مطلب ہو گا کہ ایک گھر کو ایمان نہ ہونے کے باوجود عذاب سے بچایا گیاجو کہ درست نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ ایسا اسلام ہی معتبر اور صحیح ہے کہ جس کے ساتھ ایمان(تصدیقِ خاص) بھی ہو۔الدلیل الثانی:اس مسئلہ پر دوسری دلیل یہ ہے کہ نماز ایک نیک عمل ہے جس کا تعلق اسلام سے ہے کیونکہ اعمالِ ظاہرہ کی بجاآوری کانام اسلام ہے لیکن قرآن اسے ایمان سے تعبیر فرماتاہے"وماکان اللہ لیضیع ایمانکم"ترجمہ کنزالایمان:اوراللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کردے۔مذکورہ آیت مبارکہ کے شانِ نزول سے ظاہر ہے کہ ایمان سے مراد نماز ہے کیونکہ یہ آیت اِس سوال کے جواب میں نازل

ہوئی کہ تحویلِ قبلہ سے پہلے لوگوں نے جو نمازیں ادا کیں ان کا کیا حکم ہے؟اب اس مقام پر عمل (نماز) کو ایمان اس لئے فرمایا کہ صحتِ عمل کا مدار صحتِ اعتقاد پر ہے لہٰذا اگر ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ ہونگے تو صحیح اور مقبول ورنہ مردود ٹھہریں گے۔

سوال﴿5﴾: تقدیر کیا ہے؟

الجواب: اہل حق کے نزدیک تقدیر ثابت ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ولازم ہے۔ تقدیر کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو ازل میں ہی مقدر فرمادیا ہے، جیسا اور جہاں ہونے والا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے جان کر لکھ دیا اب اُسکے لکھے ہوئے کے مطابق ہی امور واقع ہوتے ہیں۔ (ایسا نہیں کہ جیسا اس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اُس نے لکھ دیا۔ بہار شریعت، ص 11)۔

سوال﴿6﴾: تقدیر کی اقسام اربعین کی روشنی میں لکھیں۔

الجواب: امام نووی نے تقدیر کی 4 اقسام بیان کی ہیں جو کہ یہ ہیں: الاول: التقدیر فی علم اللہ: وہ تقدیر کہ جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ عنایت ولایت سے پہلے ہوتی ہے اور سعادت مندی ولادت سے پہلے لکھی جاچکی ہوتی ہے اور بعد میں واقع ہونے والے امور پہلے سے لکھی ہوئی تقدیر پر مبنی ہوتے ہیں۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے "یؤفك عنه من افك" ترجمہ کنزالایمان: اس قرآن

سے وہ ہی اوندھا کیا جاتا ہے جس کی قسمت ہی میں اوندھایا جانا ہو۔یعنی دنیا میں قرآن سننے اوراس پر ایمان لانے سے وہ ہی منہ پھیرے گا کہ جس کی تقدیر میں ازل میں ہی پھِرنا لکھا گیاہو۔اوررسولِ خدا ﷺ نے فرمایا:"لایھلك علی اللہ الاھالکا"(مسلم،مسند احمد)یعنی اللہ کسی کو ہلاک نہیں فرماتا مگر اس کو کہ جس کا ہلاک ہونا اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں لکھا جاچکا۔الثانی:التقدیر فی اللوح المحفوظ:وہ تقدیر کہ جولوحِ محفوظ میں لکھی جاچکی،اوراس تقدیر کا بدلنا ممکن ہے جیسا کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے "یمحواالله مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب"ترجمہ کنزالایمان:اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اوراصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔اور حضرت عبداللہ بن عمر اکثر دعا فرماتے کہ اے اللہ!اگر تُونے مجھے بدبخت لکھا ہے تو مٹا کر سعادت مند لکھ دے۔الثالث:التقدیر فی الرحم:وہ تقدیر کہ جو اس وقت لکھی جاتی ہے کہ جب بچہ اپنی ماں کے رحم میں ہوتا ہے،اوراس میں فرشتے کو4چیزیں لکھنے کا حکم ہوتا ہے:رزق،عمر،عمل،شقاوت یاسعادت۔الرابع:سوق المقادیر الی المواقیت:تقدیر کی چوتھی قسم یہ ہے کہ تقادیر کو اُن کے مقررہ وقت کی طرف چلانا یعنی مقررہ وقت پر ان امور کو واقع کرنا۔اللہ تعالیٰ نے خیر وشر کو پیدا فرمادیا ہے اوران کا بندے کو پہنچنے کا وقت بھی مقرر کر دیا ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ہے کہ "قل اعوذبرب الفلق۔۔الی۔۔ماخلق"ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا

پیدا کرنے والا ہے،اس کی سب مخلوق کے شر سے۔اسی طرح قدریہ فرقے کو دوزخ میں جو الفاظ کہے جائیں گے ان سے بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر وشر کو پیدا فرمادیا ہے چناچہ سورۃ القمر میں ارشاد ہوتا ہے"ان المجرمین فی ضلال وسعر۔۔الی قولہ۔۔بقدر"ترجمہ کنزالایمان: بیشک مجرم گمراہ اور دیوانے ہیں، جس دن آگ میں اپنے مونہوں پر گھسیٹے جائیں گے،اور فرمایا جائے گا چکھو دوزخ کی آنچ،بیشک ہم نے ہر چیز ایک اندازہ سے پیدا فرمائی۔حکم:تقدیر کی اس قسم کا حکم یہ ہے کہ بندے کو اگر رحمتِ خداوندی ڈھانپ لے تو یہ قسم بندے تک پہنچنے سے پہلے ہی پھیر دی جاتی ہے جیسا کہ احادیثِ مبارکہ رہنمائی فرماتی ہیں کہ صدقہ اور صلہ رحمی بری موت کو دور کرتے ہیں(شعب الایمان)، اسی طرح ایک اور حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ دعا اور بلاء آسمان وزمین کے درمیان آپس میں جھگڑتے ہیں یہاں تک کہ دعا بلاء کے نزول سے پہلے اُسے دور کر دیتی ہے۔

سوال﴿7﴾: قدریہ کا تقدیر کے بارے میں نظریہ بیان فرمائیں۔

الجواب:قدریہ کا تقدیر کے بارے میں گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں اشیاء کو مقدر نہیں فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا پہلے سے علم نہیں بلکہ ان کے وقوع کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے(معاذاللہ) یہ لوگ اب ختم ہو چکے ہیں اب قدریہ کی دوسری قسم پائی جاتی ہے جو کہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ خیر اللہ

تعالی کی طرف سے اور شر اُسکے غیر کی طرف سے ہے حضور ﷺ نے قدریہ کو اس امت کا مجوس قرار دیا ہے کیونکہ ان کا مذہب مجوسیوں کے مذہب سے مشابہت رکھتا ہے۔

سوال﴿8﴾: ثنویہ کا تقدیر کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟

الجواب: ثنویہ فرقہ یہ گمان کرتا ہے کہ خیر روشنی کے افعال سے اور شر تاریکی کے افعال سے ہے۔(قدیم ایرانی مذہب میں "خدا" کو دو وجودوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک خدا نیکی کا تھا جسے یزداں کہتے تھے اور دوسرا برائی کا جسے اہرمن کہہ کر پکارا جاتا تھا یہی ثنویہ فرقہ کا نظریہ تھا)۔

سوال﴿9﴾: قدریہ فرقہ ہمیں قدریہ کیوں کہتا ہے؟ نیز اس کا رد بھی بیان فرمائیں۔

الجواب: امام الحرمین (ضیاء الدین عبد الملک بن یوسف الجوینی الشافعی 1085-1028م) اپنی کتاب "الارشاد الی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد" میں فرماتے ہیں: بعض قدریہ کہتے ہیں کہ ہم قدریہ نہیں بلکہ تم قدریہ ہو کیونکہ تم تقدیر کی اخبار کا اعتقاد رکھتے ہو۔ ان جاہل لوگوں کا رد یوں کیا گیا ہے کہ قدریہ تقدیر کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور جو شر کا اپنی ذات کیلئے دعوی کرے اور اپنی طرف ہی منسوب کرے وہ قدریہ کہلوانے کا زیادہ حقدار ہے بمقابلہ اس شخص کے کہ جو اسے اپنے غیر کی طرف منسوب کرے۔

سوال﴿10﴾: احسان کیا ہے؟

الجواب: حضور ﷺ نے اس کا جواب یہ دیا کہ "الاحسان ان تعبداللہ۔۔ "یعنی احسان یہ ہے کہ تُو اللہ کی عبادت یوں کرے کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ حضور کے اس فرمان کے مطابق احسان عبادت کی اس حالت کا نام ہے جس میں بندے کو دیدار الٰہی کی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے اور جو شخص بادشاہِ حقیقی کے مشاہدے پر قادر ہو جائے تو وہ نماز وغیرہ عبادات میں غیر کی طرف متوجہ ہونے سے حیا کرے گا اور اپنی عبادت کو پورے کمال کے ساتھ انجام دے گا اور احسان کا مقام و مرتبہ وہی ہے جو صدق کا ہے۔

سوال ﴿11﴾: کیا حضور ﷺ کو قیامت کا علم ہے؟

الجواب: امام نووی فرماتے ہیں کہ حضور کا جواب "ماالمسئول عنهاباعلم من السائل" اس بات پر دلیل ہے کہ حضور کو وقوعِ قیامت کا علم نہیں اور یہ ان علوم میں سے ہے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ساتھ خاص رکھا ہے جیسا کہ سورۃ لقمان کی آیت 34 میں ہے "ان اللہ عندہ علم الساعة" ترجمہ کنزالایمان: بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم۔ سورۃ الاعراف کی آیت 187 میں ہے "یسئلونك عن الساعة۔۔ الایة" ترجمہ کنزالایمان: تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کو ٹھہری ہے (کب آئے گی) تم فرماؤ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے، اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا، بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں، تم پر نہ آئے گی مگر اچانک، تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اُسے خوب تحقیق

کرر کھا ہے، تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت 63 میں ہے "یسئلك الناس عن الساعة ۔۔ الآیة" ترجمہ کنزالایمان: لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں، تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، اور تم کیا جانو شاید قیامت پاس ہی ہو۔ علامہ نووی مزید فرماتے ہیں کہ جس نے دعوٰی کیا کہ دنیا کی عمر 70 ہزار سال ہے اور 63 ہزار سال باقی رہ گئے ہیں یا اسی طرح کے دیگر اقوال یہ سب باطل ہیں اور نجومی اور ریاضی دان لوگوں کی قیاس آرائیاں ہیں جن پر اعتقاد رکھنا جائز نہیں۔

**القول المختار فی علم الخمسۃ للنبی المختار ﷺ**: حضور سید عالم ﷺ کے علم اقدس کے بارے میں ہمارا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو روزِ اول سے روزِ آخر تک کا علم دیا اور جمیع جزئیات خمسہ (1۔ قیامت کب واقع ہو گی؟ 2۔ بارش کب ہو گی؟ 3۔ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ 4۔ انسان کل کیا کرے گا؟ 5۔ کون کہاں مرے گا؟) کا علم دیا جس میں خاص قیامت کے وقت کا علم بھی شامل ہے۔ **قرآنی دلائل: الاول:** ﴿وَمَاهُوَعَلَى الْغَيْبِ بضنين﴾ **الثانی:** ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ **الثالث:** ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ **الرابع:** ﴿وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ **الخامس:** ﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ﴾ **السادس:** ﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ﴾

احادیثِ طیبہ: الاول: عن طارق بن شهاب قال سمعت عمر رضی اللہ عنہ یقول قام فینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامًا فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذالك من حفظه ونسیه من نسیهٗ۔(بخاری شریف)۔ الثانی: ایسی ہی ایک حدیث مسلم شریف میں حضرت عمرو بن الاخطب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک تمام گزشتہ اور آئندہ کے حالات بیان فرما دیئے۔ الثالث: مشکوٰۃ میں بروایت دارمی و ترمذی دو حدیثیں مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے مبارک سینہ میں پائی پس میں نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو جان لیا" اور دوسری حدیث میں ہے "میرے لئے زمین و آسمان کی ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا"۔ الرابع: مرنے والوں کی خبر پہلے سے دینا بھی حضور سے ثابت ہے جیسے کہ بخاری میں ہے کہ مقتولینِ بدر کے بارے میں پہلے سے فرمادیا: ھٰذا مصرع فلان۔ اسی طرح ایک صحابی کو موت کا وقت بتایا جس پر انہیں تحصیلِ علمِ دین جیسے افضل عمل کرنے کا حکم فرمایا (تفسیر کبیر)۔ الخامس: حضور کے غلاموں کی شان یہ ہے کہ اللہ کی عطا سے مغیبات خمسہ کا علم رکھتے ہیں جیسے حضرت ابو بکر صدیق

کا حضرت عائشہ کو تیسری بہن کا بتانا (تاریخ الخلفاء) تو خود سردار کا عالم کیا ہو گا! **پیش کردہ آیاتِ نفی کی وضاحت: الاول: اطلاع تھی لیکن آگے اطلاع دینے کا حکم نہ تھا:** امام قسطلانی فرماتے ہیں: "وقال بعضهم ليس فى الأية (يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ) دلالة على ان الله تعالىٰ لم يطلع نبيه صلى الله عليه وسلم على حقيقة الروح بل يحتمل ان يكون اطلعه الله ولم يامره ان يطلعهم وقد قالوا فى علم الساعة نحو هٰذا والله اعلم (المواهب اللدنیہ) ترجمہ: بعض علماء نے فرمایا کہ آیت کریمہ (يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ) میں اس بات پر دلالت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو مطلع فرمایا اور آپ کو اس بات کا امر نہ فرمایا ہو کہ آپ دوسروں کو مطلع فرمائیں اور علم قیامت کے متعلق بھی انہوں نے ایسا ہی کہا ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو وقت قیامت کا علم دے کر اس کے بتانے کا حکم نہ فرمایا ہو۔ **الثانی: یہ آیات حضور کو اطلاع دینے سے پہلے کی ہیں:** علامہ شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر صاوی میں آیت کریمہ ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا﴾ کے تحت ارقام فرماتے ہیں: (وہٰذا قبل اعلامہ بوقتہا فلا ینافی انہ ﷺ لم یخرج من الدنیا حتی اعلمہ اللہ بجمیع مغیبات الدنیا والاٰخرۃ ولکن امر بکتم اشیاء منہا کما تقدم) یہ آیت کریمہ حضور ﷺ کو وقتِ قیامت کا علم دینے سے پہلے ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ کا

مضمون اس مسلک کے خلاف ہر گز نہیں کہ حضور ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو دنیا و آخرت کے تمام مغیبات نہ بتا دیئے لیکن ان میں سے بعض چیزوں کے چھپانے کا حکم حضور کو دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ہماری اسی کتاب میں بار بار اس پر تنبیہ گزر چکی ہے۔ ثالثا: مغیبات خمسہ کا علم بغیر عطاءِ الٰہی کے حاصل ہونے سے نفی کی گئی: مغیبات خمسہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں میں سے جسے چاہے خبر دار کرے جیسا کہ سورۃ الجن میں ہے کہ ﴿فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ لہٰذا آیاتِ نفی سے مراد یہ ہے کہ بغیر اللہ کے بتائے ان چیزوں کا علم کسی کو نہیں (خزائن العرفان۔ ملخصا)۔ رابعا: آیاتِ نفی علم غیب نفی علم بالاستقلال یا علم محیط غیر متناہی پر محمول ہیں ورنہ آیاتِ قرآنیہ میں تعارض ہو گا کہ کہیں تو حضور اور دیگر محبوبوں کیلئے علمِ غیب کا ثبوت فرمایا اور کہیں اپنے غیر سے نفی فرمادی۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ایسے اختلاف اور تعارض و تناقض سے پاک ہے۔ بلکہ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اس میں اختلاف و تناقض نہیں پایا جاتا ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا﴾ اگر قرآن مجید غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ ما المسئول عنها باعلم من السائل کی وضاحت: الاول: مذکورہ عبارت میں اسم تفضیل پر نفی وارد ہوئی جو صرف معنی تفضیل کی نفی کرتی ہے، بالکلیہ مشتق منہ کی نفی نہیں کرتی، جس کا مفاد یہ

ہوا کہ قیامت کے بارے میں، میں تم سے زیادہ نہیں جانتا، جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو اُتنا میں بھی جانتا ہوں لہٰذا قیامت کے علم کی نفی نہ ہوئی۔ الثانی: یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ اطلاع دینے سے احتراز کیا گیا ہے تاکہ جس کے راز رکھنے کا حکم ہے وہ محبوب و محِب میں راز رہے، یہ جواب پیچھے بھی گزرا ہے۔ الثالث: یہ ماننا کہ حضور کو علم نہ تھا سراسر عقلی طور پر غیر مناسب ہے کیونکہ جو شخص جس چیز کی معرفت نہ رکھتا ہو وہ اسکی جزئیات اور علامات کا بھی علم نہ رکھتا ہو گا، تو اگر بقول معترض حضور کے اس جملے سے علمِ قیامت کی کلیۃ نفی مقصود ہے تو حضرت جبرائیل نے پھر علامات کے بارے میں سوال کیوں کیا؟۔ الغرض یہ کہ حضور ﷺ کا معجزہ علم غیب یقینا ثابت ہے جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردد کی گنجائش نہیں کہ اس کے ثبوت میں کثیر آیات و احادیث وارد ہوئیں، مفسرین و محدثین ہر ایک کی تصریحات اسی کی مؤید ہیں اور علماء حق کے نزدیک بالاتفاق حضور کا علم غیب ثابت ہے اور مغیبات خمسہ حضور ﷺ کے علمِ غیب کا حصہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سوال ﴿12﴾: حدیث میں مذکور قیامت کی علامات وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں۔

الجواب: ﴿1﴾ ان تلد الامة ربتها: لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔ اکثر محدثین کا قول ہے کہ یہ لونڈیوں اور انکی اولاد کی کثرت کے بارے میں خبر دی گئی ہے، اس میں 3 احتمالات ہیں: الاول: لونڈی کا وہ بچہ

جواس کے آقا سے ہوا ہو وہ بمنزلہ سردار کے ہوگا کیونکہ انسان کا مال بطورِ وراثت اسکی اولاد کا ہی ہوتا ہے، لہٰذا جمیع مال کی طرح لونڈی بھی بچہ کی ملکیت ہوگی اور بچہ اس کا آقا ہوگا۔ الثانی: ایک قول یہ ہے کہ لونڈیوں کے بچے آگے چل کر بادشاہ بنیں گے اور جس طرح دیگر لوگ بادشاہ کی رعایا ہوتے ہیں اسی طرح وہ لونڈی کہ جو اسکی ماں ہوگی وہ بھی اسکی رعایا میں داخل ہوگی۔ الثالث: اس معنیٰ کا بھی احتمال ہے کہ آقا اپنی اس لونڈی کو بیچ دے کہ جس سے بچہ پیدا ہوا ہو پھر وہ لڑکا بڑا ہو کر اپنی ماں کو ہی خریدے تو لونڈی نے اپنے ہونے والے آقا کو جنا۔ ﴿2﴾ ان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان تُو قربِ قیامت میں برہنہ پا، برہنہ تن، چرواہوں کو دیکھے گا کہ عمارت کی بلندی وشان وشوکت میں ایک دوسرے سے مقابلے کرتے ہونگے۔

﴿13﴾: "فلبثت ملیا" کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

الجواب: "لَبِثَ" فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب اور "لَبِثتُ" صیغہ واحد متکلم دونوں طرح صحیح ہے، اور "مَلِیّا" کا معنی ہے طویل وقت۔ جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر کو 3 دن بعد بتایا اور امام بغوی نے شرح السنۃ میں فرمایا کہ 3 دن سے زائد وقت گزر جانے کے بعد بتایا، امام نووی فرماتے ہیں کہ شرح السنۃ کی عبارت سے مراد 3 راتوں کے بعد

ہے۔اور حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس اجنبی شخص کے جاتے ہی فرمایا: اس کو واپس بلاؤ، صحابہ کرام فورا مجلس سے اُٹھ کر گئے لیکن انہیں وہاں کچھ نظر نہ آیا، تب رسول اللہ نے انہیں بتلایا کہ وہ آنے والے شخص جبرائیل تھے، اب دونوں قسم کی روایات میں تطبیق یوں ہے کہ حضرت عمر کے علاوہ دیگر صحابہ کو حضور نے اُسی وقت بتادیا جبکہ حضرت عمر مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے تھے اس لئے ان کو تین دن بعد حضور نے بتایا۔ لہٰذا ابوہریرہ کی روایت حاضرین کو خبر دینے کے بارے میں ہے اور ابوداؤد (275ھ) اور ترمذی (279ھ) کی روایت حضرت عمر کو خبر دینے کے بارے میں ہے۔

سوال ﴿14﴾: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحتیں بیان فرمائیں۔

الجواب: ایک شخص امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی مجھے نصیحت کیجئے، تو آپ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ تیرے رزق کا کفیل ہے تو رزق کیلئے تیرا اس قدر اہتمام کرنا کیوں! اور بدلہ دینا اگر اللہ تعالیٰ پر حق ہے تو پھر تیرا بخل کرنا کیوں! اور اگر جنت حق ہے تو راحت (عبادت کی مشقت نہ اُٹھانا) کیوں! اور اگر دوزخ حق ہے تو گناہ و نافرمانی کیوں! اور اگر منکر نکیر کے سوالات حق ہیں تو یہ دنیا سے اُنسیت (دل لگانا) کیوں! اور اگر دنیا فانی ہے تو پھر یہ اطمینان و سکون کیوں! اور اگر حساب حق ہے تو مال جمع کرنا کیوں! اور اگر ہر چیز قضاء و قدر کے مطابق ہونی ہے تو پھر خوف کیوں!۔

سوال﴿15﴾:صاحبِ مقاماتِ علماء کے نزدیک دنیا کی کتنی اور کونسی اقسام ہیں؟

الجواب:امام غزالی (المتوفی:505ھ) اپنی کتاب "مقامات العلماء بین یدی الخلفاء و الأمراء" میں فرماتے ہیں: دنیا کی پچیس اقسام ہیں: ☆پانچ کا تعلق قضاء وقدر سے ہے اوروہ یہ ہیں: رزق،اولاد، خاندان،باشاہ،عمر☆پانچ کا تعلق کوشش سے ہے اوروہ یہ ہیں:جنت،دوزخ،پاکدامنی، شہسواری، فن کتابت☆پانچ کا تعلق عادت سے ہے اوروہ یہ ہیں:طعام،نیند،چال،نکاح،قضاءِحاجت☆پانچ کا تعلق جوہر سے ہے اوروہ یہ ہیں:زُہد،ذہانت،خرچ،حسن وجمال،رعب ودبدبہ☆پانچ کا تعلق وراثت سے ہے اوروہ یہ ہیں:بھلائی،صلہ رحمی،سخاوت،سچائی،امانت داری۔

﴿16﴾اگر ایسا ہے تو اس حدیث مبارکہ "کل شیء بقضاء وقدر" کے کیا معنٰی؟

الجواب: تقسیمِ دنیاوالا قول اس روایت کے مخالف ومنافی نہیں کہ جو علامہ ہیثمی(807ھ)نے اپنی کتاب مجمع الزوائدومنبع الفوائد میں بیان کی ہے کہ ہر چیز کا تعلق قضاءوقدر سے ہے کیونکہ حدیثِ مبارکہ کا معنٰی یہ ہے کہ بعض اشیاء ظاہری سبب کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں جبکہ دیگر بعض بغیر کسی ظاہری سبب کے ہوتی ہیں،اور یہ دونوں قسمیں(سبب والی اور بغیر سبب والی) قضاء وقدر سے ہی تعلق رکھتی ہیں جبکہ تقسیمِ دنیاوالے قول میں ان چیزوں کو بیان کیا گیا ہے کہ جن کا تعلق ظاہری سبب سے ہوتا ہے۔

# الحدیث الثالث(ارکانِ اسلام)

سوال﴿1﴾:"بنی الاسلام علی خمس"کی تشریح اربعین کی روشنی میں کریں۔

الجواب:جس نے ان پانچ ارکان کو پورا کرلیا تحقیق اس نے اپنے اسلام کو پورا کرلیا،جس طرح گھر اپنے ستونوں کے ساتھ مکمل ہوتا ہے اسی طرح دینِ اسلام اپنے پانچ ارکانوں کے ساتھ مل کر مکمل ہوتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں بناءِ معنوی کو بناءِ حسی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اوروجہِ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح بناءِ حسی بعض ستونوں کے منہدِم ہونے پر مکمل نہیں رہتی اسی طرح بناءِ معنوی(اسلام کی عمارت)کا معاملہ ہے،اسی وجہ سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نمازدین کا ستون ہے جس نے اِسے چھوڑااس نے دین کو گرادیا(کشف الخفاء)اور بناءِ معنوی کو بناءِ حسی کے ساتھ تشبیہ دینا کلامِ عرب میں شائع وذائع ہے۔

سوال﴿2﴾:"بنی الاسلام علی خمس"میں علی کس معنیٰ میں ہے اور کیوں؟

الجواب:اس جملے میں علیٰ بمعنیٰ باء ہے،اسکی وجہ یہ ہے کہ اسلام مبنی (جسکی بناءرکھی گئی)اور خمس مبنی علیہ(جس پر بناء رکھی گئی )ہے اور مبنی،مبنی علیہ کا غیر ہوتا ہے جیسے چھت(مبنی) دیوار(مبنی علیہ) کا غیر ہوتی ہے،لہٰذا اگر عبارت کا ظاہری معنیٰ لیں اور علیٰ کو اسکے حقیقی معنیٰ میں رکھیں تو مطلب یہ بنے گا کہ اسلام(مبنی)ارکانِ خمسہ(مبنی علیہ)کا غیر ہے اورارکان خمسہ اسلام سے خارج ہیں جیسے کہ دیواریں

چھت سے خارج ہیں، اور ہر ذی شعور جانتا ہے کہ یہ معنی و مطلب بالکل فاسد اور مقصود و مراد سے ہٹ کر ہے۔ اور اس علیٰ کو "مِن" کے معنیٰ میں بھی لے سکتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿الاعلیٰ ازواجھم﴾ میں علیٰ بمعنی مِن استعمال ہوا ہے۔

سوال ﴿3﴾: ارکانِ خمسہ اسلام میں کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

الجواب: اسلام کی بِلڈنگ میں ارکانِ خمسہ اصول کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ دیگر فرائض وواجبات اس بلڈنگ کو مکمل کرنے والے ہیں، اور تمام مستحبات اس عمارت کی زیبائش کا کام کرتے ہیں۔

سوال ﴿4﴾: ایمان کے کتنے شعبے ہیں؟ حدیث سے وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حضور ﷺ نے فرمایا: "الایمان بضع وسبعون شعبة۔ الخ" (مسلم) ترجمہ: ایمان کی ستر (70) سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں جن میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنا ہے اور ان میں سب سے نچلا درجہ کسی تکلیف دہ چیز کو راستے سے دور کر دینا ہے۔

سوال ﴿5﴾: حج اور صومِ رمضان میں ترتیب بیان کریں۔

الجواب: اس حدیثِ مبارکہ میں حج کو روزے پر مقدم کیا ہے تو یہ صرف ذکر میں تقدیم ہے حکم میں نہیں کیونکہ فرضیت کے اعتبار سے روزہ حج پر مقدم ہے جبکہ دیگر روایات میں روزے کو حج پر مقدم کیا گیا ہے